ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ

علمِ حدیث کی تاریخی حیثیت

یہ مضمون ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ایک خطاب پر مشتمل ہے، جو انہوں نے دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں منعقدہ ایک کورس کے شرکا کے سامنے کیا تھا۔ اسے کاغذ پر منتقل کر کے ضروری تدوین کے بعد قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (س، ع، ر)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علم حدیث کی تاریخی حیثیت پر گفت گو کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ دیکھیں کہ خود حدیث سے کیا مراد ہے، اور حدیث اور سنت کا آپس میں کیا رشتہ ہے، پھر اس سوال کا جواب دیں کہ حدیث کی تاریخیت پر گفت گو کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ یہ سوال کب پیدا ہوا اور کن اسباب کی بنا پر پیدا ہوا، اور اس کا جواب کیا ہے۔ اس کے بعد مختصر طور پر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ تاریخ اسلام میں اور خاص طور پر اسلامی علوم کی تاریخ میں علم حدیث کے آغاز و ارتقا کے دوران کیا کیا مراحل پیش آئے، کن کن مدارج سے یہ علم گزرا، اور اس کے بعد کس شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے، اور مزید اس پر کوئی کام کرنا ہو، کوئی تحقیق کرنی ہو تو اس کے لئے کون کون سے راستے اور کون کون سی شکلیں ہمارے سامنے ہیں۔

یہ بات تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلامی تعلیم یا اسلامی نظام زندگی کے بنیادی ماخذ دو ہیں:

ایک قرآن مجید

دوسرا رسول اللہ ﷺ کی سنت

لیکن رسول اللہ ﷺ کی سنت جس کو امام شافعیؒ نے قرآن مجید کی تشریح وتوضیح قرار دیا ہے، امام شافعیؒ نے لکھا ہے کہ فقہ، تصوف سمیت سارے اسلامی لٹریچر کا ذخیرہ سنت رسول کی تشریح ہے، اور سنت رسول ساری کی ساری قرآن مجید کی تشریح ہے، اس لئے کہ قرآن مجید وہ بنیاد اور کنجی ہے، یا آپ کہہ سکتے ہیں شاہ کلید (Masterkey) ہے جو تمام اسلامی علوم پر حاوی ہے اور جسے آپ قرآن کی اصطلاح میں کہہ سکتے ہیں کہ مہیمن ہے، یہ سارے اسلامی علوم قرآن کی گرفت میں ہیں۔ تو بنیادی ماخذ قرآن وسنت کا ایک ہی ہے، یعنی وحی الٰہی، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام زندگی یا اسلامی طرز زندگی اور تعلیمات کا ماخذ ایک ہی ہے اور وہ ہے وحی الٰہی۔

وحی الٰہی ہمارے پاس دو شکلوں میں ہے:

ایک قرآن مجید

اور دوسری رسول اللہ ﷺ کی سنت

اس بارے میں محدثین کا تھوڑا سا اختلاف رہا ہے کہ سنت اور حدیث میں کیا فرق ہے، اور ان دونوں اصطلاحات کا آپس میں کیا رشتہ ہے، اس طرف میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں، لیکن وحی الٰہی جو تعلیمات اسلام کا مصدر وحید ہے، اس کی بقا اور حفاظت کا خود قرآن مجید نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ اس کا اللہ نے خود ذمہ لیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ O (۱)

بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہ قرآن مجید کی مشہور آیت ہے، یہاں الذکر کا لفظ ہے، قرآن کا لفظ یہاں نہیں ہے، یہاں صرف الذکر کا لفظ ہے کہ ہم ہی نے اس یاد دہانی کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں الذکر سے مراد صرف قرآن مجید ہے، اور صرف قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ سنت اس میں شامل نہیں ہے، اور گویا سنت اس حفاظت کے وعدے میں شامل نہیں ہے، حال آں کہ ایسا نہیں ہے، کوئی وجہ نہیں کہ الذکر سے یہاں صرف قرآن مجید کو مراد لیا جائے، قرآن میں جہاں جہاں الذکر کا لفظ آیا ہے اس سب کا اگر ہم جائزہ لیں اور ان ساری آیات کو ہم دیکھیں جہاں جہاں الذکر ہے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ الذکر سے مراد بہ حیثیت مجموعی تعلیمات الٰہی ہیں، بہ حیثیت مجموعی وحی الٰہی کے ذریعے جو تعلیمات ہمیں

ملی ہیں قرآن کریم کی اصطلاحات میں وہ الذکر ہے، اس میں قرآن مجید میں جو کچھ موجود ہے وہ بھی شامل ہے اور جو چیز سنت رسول کے ذریعے ہمارے پاس آئی ہے وہ بھی شامل ہے، اور اللہ نے ان دونوں کی حفاظت فرمائی ہے، سنت کی حفاظت بھی فرمائی ہے اور قرآن کی حفاظت بھی فرمائی ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت تو دنیا کے سامنے موجود ہے کہ کتابی شکل میں اور تمام تفصیلات کے ساتھ آج ہمارے سامنے موجود ہے، لیکن سنت کی حفاظت کی کیا شکل ہے؟ اس کی ذرا وضاحت کی ضرورت ہے۔ سنت کی حفاظت بھی اللہ نے فرمائی ہے اور میں ابھی اس کی مثالیں آپ کو دیتا ہوں۔ لیکن اس کی مثالیں دینے سے پہلے میں واضح کروں کہ سنت اور حدیث میں فرق کیا ہے۔

حدیث کے لغوی معنیٰ تو آپ کے سامنے ہیں کہ Statement یا بیان، کسی بھی چیز کا بیان واقعہ یا Statement of faet حدیث کہلاتا ہے خواہ وہ وہ دنیاوی معاملات میں کسی چیز کا Statement یا بیان ہو یا دینی معاملے میں، یا کسی بھی معاملے میں کوئی بھی بیان یا امر واقعہ کا Statement، Narration حدیث کہلاتا ہے، لیکن اصطلاحی معاملے میں حدیث سے مراد ہے ہر وہ بیان یا ہر وہ قول جو رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد مبارک یا حضور کے کسی فعل مبارک کے بارے میں یا حضور ﷺ کے سامنے کسی کئے جانے والے قول و فعل کے بارے میں ہو، جس کو حضور نے منع نہ کیا ہو تو یہ تینوں چیزیں حدیث کہلاتی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس میں صحابہ کے قول و فعل اور تقریر کو بھی شامل کیا ہے، بعض نے شامل نہیں کیا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے اقوال آپ کے افعال اور وہ افعال و اقوال جو آپ کے سامنے کئے گئے ہوں اور آپ نے ان کو نہ روکا ہو، یہ سب چیزیں حدیث کہلاتی ہیں۔

لیکن اس میں فرق اتنا ہے کہ حدیث سے مراد وہ سارے بیانات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول، فعل یا تقریر سے متعلق ہوں، خواہ وہ غلط ہوں، حدیث میں وہ سارے بیانات شامل ہیں، پھر اس کے مختلف مدارج ہیں۔ کچھ بیانات ہیں جو بالکل صحیح ہیں اور اس بات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت شک و شبہ سے بالاتر ہے، اور جن لوگوں سے وہ بیانات ہم تک پہنچے ہیں ان کے بارے میں ہمیں یہ پوری تحقیق ہے کہ وہ بالکل سچے لوگ تھے، ان کی عادات بھی صحیح تھیں۔ کچھ بیانات وہ ہیں جو بالکل پہلے بلند ترین معیار پر پورا تو نہیں اترتے لیکن ذرا اس سے ہلکے معیار پر آتے ہیں، کچھ اور ہیں جن کی نسبت کم زور ہے، کچھ اور ہیں جو بالکل غلط اور بے بنیاد

ہیں اور کسی شخص نے غلط فہمی سے یا جان بوجھ کر بد دیانتی سے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں، تو یہ سارے کے سارے فنی طور پر حدیث کہلاتے ہیں اور حدیث کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے اس میں یہ سب قسم کی چیزیں شامل ہیں۔

اس اعتبار سے محدثین نے حدیث کی کتابوں کی اقسام بیان کی ہیں، لیکن جس چیز کو ہم سنت کہتے ہیں وہ ہے رسول اللہ ﷺ کا Estabilshed طریقہ، جس پر عمل درآمد کرنے کے جس کو اپنی زندگیوں میں اپنانے کے ہم اور آپ بہ طور مسلمان مکلف ہیں، ہم سب اس کے پابند ہیں کہ اس پر عمل درآمد کریں، یعنی وہ طریقۂ زندگی جو رسول اللہ ﷺ نے خود اختیار فرمایا اور جسے اختیار کرنے کی آپ نے دوسرے انسانوں کو دعوت دی اور حکم دیا۔ اب آپ دیکھئے تو یہ بات بہت واضح ہو جائے گی کہ حدیث اور سنت میں کیا فرق ہے۔

حدیث بہ حیثیت مجموعی تو ایک ماخذ ہے، جس سے ہم سنت کو حاصل کرتے ہیں، سنت کا ماخذ وہ بیانات ہیں جو حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں اور جب ہم حدیث کے عقلی اور تجزیاتی مطالعے کے بعد جب ہم حدیث کے سارے ذخیرے کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمارے سامنے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ یہ بیانات صحیح ہیں اور معیار پر بالکل سو فیصد پورا اترتے ہیں۔ وہ کیا معیارات ہیں، ان کی طرف بھی میں ہلکا سا اشارہ کروں گا، اُس کے بعد حضور ﷺ کی زندگی کا، قول کا، فعل کا اور طرز زندگی کا ایک خاص نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ وہ سنت ہے، تو گویا سنت ایک طے شدہ Well-Established طرز زندگی کا نام ہے، جس کا ماخذ یہ سارے بیانات ہیں ان میں سے بعض ماخذ کچھ کم زور ہیں، بعض بالکل بے بنیاد ہیں اور ایک بڑا حصہ صحیح ہے اور تھوڑا سا حصہ درمیانی درجہ رکھتا ہے۔

اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں الذکر کو محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا ہے، اس میں الذکر کی دو شکلیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ایک وہ وحی ہے وہ یاد دہانی ہے، جس کی ہم دن رات تلاوت کرتے ہیں، جس کو ہم اصطلاح میں ''وحی متلو'' کہتے ہیں، یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے، اور دوسرا حصہ الذکر کا وہ ہے جسے ہم ''وحی غیر متلو'' کہتے ہیں یعنی وہ حصہ جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔

یعنی کوئی بھی شخص حدیث کی تلاوت قرآن مجید کی طرح نہیں کرتا، تلاوت صرف قرآن کی کی جاتی ہے، لیکن وحی ہونے میں دونوں برابر ہیں، اس لئے اس اعتبار سے ہم وحی کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اب آپ یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو محفوظ دو طریقے سے رکھا۔ ایک تو طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں قرآن مجید انسانوں کو دے دیا اور قرآن مجید انسانوں کو دینے پر اکتفا نہیں فرمایا بل کہ حضور ﷺ نے ایک امت بھی اپنی نگرانی میں مرتب کر کے، اس کی تربیت کر کے، اور دین اس میں جاری وساری کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، ذاتی زندگی کا ایک عملی نمونہ حضور ﷺ نے دے دیا، آپ نے از خود عمل درآمد کر کے بتا دیا اور اجتماعی زندگی کا نمونہ دکھانے کے لئے ایک گروہ، ایک جماعت ایک امت حضور نے تشکیل کر دی۔

اب یہ امت جس انداز سے تشکیل پائی ظاہر ہے جیسے افراد میں خامیاں ہوتی ہیں، گناہ گار لوگ ہوتے ہیں، ہم سب گناہ گار ہیں، اس کے باوجود مسلمان ہیں، اسی طرح سے امت بھی مختلف نشیب وفراز سے گزرتی رہی ہے، بعض اوقات کوتاہیاں بھی ہوئیں، امت سے غلطیاں بھی ہوئیں، لیکن بہ حیثیت مجموعی امت اس سطح پر اس خط پر قائم رہی جو رسول اللہ امت کے لئے مقرر فرمایا تھا، اور امت بہ حیثیت مجموعی اس خط سے منحرف نہیں ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے مقرر فرما کر گئے تھے۔ اس خط پر چلنے میں اور ان تعلیمات پر عمل درآمد کرنے میں امت مسلمہ ہمیشہ ثابت قدم رہی۔ جو بات میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سماعت فرمایئے گا، اس سے غلط فہمی نہ پیدا ہو، بہ حیثیت مجموعی امت رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے خط پر چل رہی ہے، لیکن اس خط پر چلنے میں امت کو حدیث کے علم کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی۔ اس سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے، جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ دیکھئے میں اور آپ سب الحمد للہ نمازی ہیں پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں، رمضان کے روزے بھی رکھتے ہیں، جس کسی کو توفیق ہوتی ہے وہ وہ حج بھی کر کے آتا ہے، وسائل ہوں اور پس انداز رقم ہو تو زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، اللہ کے فضل سے خاندانی زندگی میں ہم سب اسلامی تعلیمات کے عمل پیرا ہیں کہ خاص انداز سے لوگوں کی ہمارے یہاں شادیاں ہوتی ہیں، خاص انداز سے لوگ گھریلو زندگی گزارتے ہیں، خدانہ خواستہ کوئی دنیا سے چلا جائے تو اس کی تجہیز وتکفین کا مناسب انداز سے اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سارا کا سارا وہ طریقہ ہے جو ہم نے اپنے بڑوں سے سیکھا ہے، ہم انہیں دیکھتے چلے آئے ہیں، یعنی بچپن میں ماں باپ کو دیکھا کہ وہ یہ سب چیزیں خاص انداز سے کر رہے ہیں، اور انہوں نے اپنے ماں باپ کو دیکھا، ہم میں سے کسی نے پیدا ہونے کے بعد دس پندرہ سال کی عمر میں آنے کے بعد کسی حدیث کتاب میں پڑھ کر معلوم نہیں

کیا کہ نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے، مثلاً ہم نے سنن ابوداؤد دیکھی ہو، اور نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھ ہو، زکوٰۃ دینے کی ضرورت پیش آئی تو موطا امام مالک کھول کر دیکھا ہو کہ زکوٰۃ دینے کے ا احکامات حضور ﷺ نے دیئے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا، بل کہ یہ احکام نسلاً بعد نسل ہم سیکھتے چلے آ ہیں، کسی کو مزید تحقیق کرنی ہو کہ ہم نے جو سیکھا وہ ٹھیک تھا تو حدیث کی کتاب میں لکھی ہوئی تفصیلات کو چیک کر لیتے ہیں، اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم نے صحیح سیکھا ہے، اس لئے امت جو سنت پر قائم ہے وہ از خود نسلاً بعد نسل ایک Pravtical تعامل کی شکل میں قائم ہے، اور وہ اس تعامل میں حدیث کے علم کو جاننے کی محتاج نہیں ہے۔

حدیث کا علم اپنی جگہ موجود ہے اور اس لئے موجود ہے کہ اگر امت عملاً اس راستے سے ہٹ جائے تو اس کے ذریعے پتہ چل جائے کہ وہ راستے سے ہٹ گئی، لیکن عملی طور پر جو تجربہ ہمارے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ہم سنت پر عمل درآمد میں حدیث کے محتاج نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ بیانات تو سو، دوسو، پانچ سو آدمی تک محدود ہیں، جو مسلمانوں میں محدث ہیں حدیث کے عالم ہیں۔ عام آدمی کو ان کا پتہ بھی نہیں۔ ایک عام آدمی کو آپ مسجد میں جا کر دیکھ لیں، بوڑھا آدمی ہے پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، روزے رکھتا ہے اس کو شاید یہ بھی نہیں پتہ کہ سنن ابوداؤد کس چیز کا نام ہے، اور کس کی لکھی ہوئی ہے لیکن وہ صحیح عمل درآمد کرتا ہے، اور مسلمانوں کی اکثریت کا یہی حال ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے سنت کو عملاً اس طرح سے محفوظ رکھا ہے کہ پوری نسل اس پر عمل درآمد کرتی ہے۔ پہلی نسل نے عملاً سنت کو دوسری نسل تک منتقل کیا، پھر تیسری پھر چوتھی اس طرح سے سیکڑوں نسلوں سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے، لیکن اللہ نے صرف اسی Praetical بقا پر اکتفا نہیں کیا، بل کہ اس کے لئے احادیث کے وہ سارے بیانات اور ذخائر جو ضعیف یا کم زور جیسے بھی تھے جوں کے توں محفوظ رکھ وا دیئے، یہ سب کچھ کتابوں میں ہے۔ اگر کسی کو عملاً اس پر شک ہو کہ ہم جو عمل کرتے چلے آ رہے ہیں پتہ نہیں صحیح ہے یا غلط تو ہم جا کر چیک کر لیں کہ صحیح یا غلط ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے سنت کی حفاظت کا بھی وعدہ کیا ہے۔

پچھلے دنوں میں ایک غیر ملکی سفر سے واپس آ رہا تھا تو پی آئی اے کے جہاز کے کپتان سے میری ملاقات ہوئی۔ شکل سے ان کو یہ خیال ہوا کہ یہ اس معاملے میں کوئی رائے دے سکتا ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے حدیث پر کچھ اعتراضات ہیں۔ وہ اعتراضات مشہور منکرین حدیث کے تھے۔ جن میں سے بعض کی طرف میں آؤں گا تو انہوں نے کہا کہ جیسے قرآن مجید کو اللہ نے محفوظ

رکھا اور آج بالکل اصلی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے، تو سنت کا ایسا کوئی ذخیرہ، کوئی کتاب حضور ﷺ نے کیوں مرتب نہیں کی، جس سے پتہ چلتا کہ یہ کتاب سنت ہے۔ کوئی ایسی کتاب جو حضرت عمرؓ نے لکھی ہوتی، یا حضرت ابوبکر نے لکھی ہوتی یا حضور ﷺ نے خود لکھوائی تھی اور آج ہمارے سامنے موجود ہوتی اور ہم کہتے کہ یہ موجود ہے، تو میں نے ان کو یہی جواب دیا کہ دیکھئے آج اگر خدانہ خواستہ حدیث کی ساری کتابیں دنیا سے مٹ جائیں، قرآن مجید بھی دنیا سے مٹ جائے، کوئی ایسا زبردست بم پھٹے کہ خدانہ خواستہ سب کچھ مٹ جائے تو آپ کو ہر علاقے میں، ہر ملک میں ایسے دو چار حافظ ضرور مل جائیں گے جو یادداشت سے سارا قرآن مجید لکھوادیں اور اللہ کے فضل سے میں بھی لکھوا سکتا ہوں شروع سے لے کر اخیر تک آپ کو لکھ کر دے سکتا ہوں، لیکن اگر حدیث کے سارے ذخائر مٹ جائیں، خدانہ خواستہ لائبریریوں میں آگ لگ جائے، اور حدیث کے سارے ذخائر خدانہ خواستہ ختم ہو جائیں تو بھی حضور ﷺ کی سنت دنیا سے ختم نہیں ہوگی، اس لئے کہ اگر ایک بھی مسلمان بچ گیا تو وہ اگلے آنے والے مسلمانوں کو یہ بتادے گا کہ نماز پڑھنے کا حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا، روزہ رکھنے کا طریقہ یہ تھا، حج کرنے کا یہ تھا، زکوٰۃ کا طریقہ یہ تھا، وہ ساری سنتیں جو ضروری ہیں وہ سب کی سب بتادے گا، خرید وفروخت کرو تو ایسے کرو، کسی کے گھر جاؤ تو ایسے سلام کرو، کھانا کھاؤ تو ایسے کھاؤ، سو تو ایسے سو، وہ پوری زندگی کے سارے معمولات بتادے گا۔ اس کے باوجود بھی آپ کو ہر علاقے میں ایسے آدمی ہزاروں مل جائیں گے کہ جو ضروری احادیث کے بیانات جو کتب حدیث میں ہیں وہ بھی اپنی یادداشت سے لکھوادیں گے، اور میں نے ان سے کہا کہ میں بہت گناہ گار ہوں لیکن ہزار بارہ سو بیانات میں بھی لکھوا سکتا ہوں، تو اس لئے یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت نہیں فرمائی، سنت کی حفاظت نہیں فرمائی، صحیح نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں جو فرمایا گیا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ O (۲)

بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہاں الذکر میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں، قرآن مجید بھی اور سنت بھی، جس کی مختصر تشریح میں نے کی۔

اب آپ یہ دیکھئے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث ان کی

تاریخی حیثیت کیا ہے، جو اصل گفت گو کا موضوع ہے۔

تاریخ حدیث

حدیث کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ حدیث سے مراد وہ سارے بیانات ہیں، جن کا ذکر ماقبل میں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ قرآن مجید کی جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ ﷺ اس کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ کاتبان وحی موجود تھے، جو یہ خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ جن میں سے پچیس تیس اسمائے گرامی حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں کہ یہ کاتبان وحی تھے۔ جب بھی کوئی وحی یا قرآن مجید کی آیت نازل ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کاتبان وحی میں سے کسی ایک کو بلاتے اور کہتے کہ یہ آیت لکھو، فلاں آیت فلاں سورت میں لکھی جائے گی، فلاں آیت کے بعد لکھی جائے گی، فلاں آیت سے پہلے لکھی جائے گی، اور یوں قرآن مجید کی تدوین کا کام مکہ مکرمہ ہی میں پہلے دن سے شروع ہو گیا تھا، جس دن سے اقرا باسم ربک الذی خلق نازل ہوئی۔ اس کی سب سے بڑی مثال تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعے میں آپ نے پڑھی ہوگی۔ حضرت عمر کے اسلام کا واقعہ مشہور ہے۔ جب وہ اپنی بہن کے ہاں گئے تو ان کے پاس کچھ اوراق تھے، جن میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، اور جب انہوں نے حضرت عمرؓ کے آنے کی آہٹ سنی تو ان اوراق کو تکیے کے نیچے یا کہیں اور چھپا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورہ طٰہٰ ان کے پاس لکھی ہوئی موجود تھی۔ حضرت عمرؓ اسلام کے آغاز کے پانچویں سال میں اسلام لائے تھے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے چار سال بعد، تو مکہ کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کا یہ طریقہ تھا، جیسا کہ اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کی مختلف سورتیں کتابچوں کی شکل میں، پمفلٹ کی شکل میں، اوراق کی شکل میں ایک ایک گھر میں، خواتین تک کے پاس موجود تھیں، جن کو وہ پڑھا کرتی تھیں۔

اسی طرح پہلے دن سے ہی حضور ﷺ نے قرآن پاک کے لکھنے کا وعدہ فرمایا اور اہتمام بھی فرمایا، اس کے علاوہ سورۂ عبس کا اگر آپ مطالعہ کریں یہ بھی آپ کو پتہ ہوگا کہ یہ سورت نبوت کے تین سال بعد نازل ہوئی، اس میں ہے:

رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (۳)

یہ اللہ کے وہ رسول ہیں جو پاکیزہ صحیفے مطالعہ کرتے ہیں۔

عربی زبان میں صحیفہ چھوٹی کتاب کو کہتے ہیں، چھوٹا کتابچہ صحیفہ کہلاتا ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کی مختلف سورتیں ورقوں کی شکل میں یا چھوٹے چھوٹے پمفلٹ Booklet کی شکل میں لکھی جاتی تھیں، اور مکے کے ابتدائی دور سے ہی یہ تحریریں موجود تھیں، لیکن حضور ﷺ نے عام طور سے احادیث کو اس طرح سے لکھنے کا اہتمام نہیں فرمایا، نہ صرف اہتمام نہیں فرمایا بل کہ بعض مواقع پر اس کی ممانعت کی۔ ایک مشہور روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لاتکتبوا عنی، و من کتب عنی غیر القرآن فلیمحه (۴)

یہ مشہور حدیث ہے کہ میرے منہ سے نکلنے والی کوئی بات قرآن مجید کے علاوہ مت لکھو، اس کو قلم بند نہ کرو۔ اس سے خاص طور پر مستشرقین کو یہ شبہ ہوا، مسلمانوں کو تو الحمدللہ اس قسم کا شبہ کہیں بھی نہیں ہوا۔ مسلمان تو چودہ سو سال سے حدیث اور سنت پر عمل درآمد کرتے آرہے ہیں اور اس کو اسی طرح سے وحی الٰہی کا دوسرا بڑا ماخذ سمجھتے ہیں، لیکن سو، ڈیڑھ سو سال پہلے مستشرقین نے سنت اور حدیث کے بارے میں شبہات پیدا کئے، اور خاص طور پر مستشرق گولڈزہر جو پچھلی صدی کے اواخر میں پیدا ہوا، اس نے اور اس کے شاگرد جوزف شاخت نے اور شاخت کے نتیجے میں بہت سے مسلمانوں نے یہ شبہات پیدا کئے کہ چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو لکھنے کا اہتمام فرمایا، لیکن احادیث کے لکھنے کا اہتمام نہیں فرمایا، لہٰذا احادیث مستند نہیں ہیں اور چوں کہ مستند نہیں ہیں، لہٰذا جتنے مشہور محدثین ہیں، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہے امام مسلم کی ۲۶۰ھ میں ہے اور اسی طرح جتنے بھی حضرات ہیں، ابوداؤد کی ۲۷۵ھ میں ہے یہ سب کے سب بہت بعد کے ہیں، تیسری صدی میں پیدا ہوئے ہیں، لہٰذا انہوں نے اس زمانے میں جو کہانیاں اور قصے مشہور تھے وہ حدیث کے نام پر قلم بند کر لئے اور انہیں مجموعوں کی شکل دے دی۔ اور وہ کہانیاں حدیث کے نام سے مشہور ہوگئیں۔ اس لئے یہ سارا غیر مستند ذخیرہ ہے۔ یہ بات گولڈزہر نے کہی، اس کے بعد شاخت نے کہی اور ان کے نتیجے میں تمام لوگوں نے کہی اور اس کی بنیاد یہی حدیث تھی۔ آن

ایک ہمارے دوست ہیں، بڑے مشہور اسکالر اور محقق اور مستشرقین کے نامی گرامی شاگرد، انہوں نے ایک مرتبہ اپنے شبہات کا اظہار کیا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث لاتکتبوا عنی بھی ان ہی ذخائر میں ہے، جن کی بنیاد پر آپ یہ کہتے ہیں کہ وہ غیر مستند ہے، تو اگر وہ غیر مستند ہے، تو یہ بھی غیر مستند ہے۔ اگر سارا ذخیرۂ احادیث غیر مستند ہے تو یہ حدیث

کیسے مستند ہوگئی کہ اس کی بنیاد پر باقی سارے ذخیرۂ احادیث کی آپ تردید کرتے ہیں۔ پہلے تو آپ اس بات کا جواب دیں۔ دوسرے آپ کہتے ہیں کہ گولڈزہر اور شاخت بڑے مشہور اور بڑے محقق تھے اور بڑے دیانت دار تھے۔ انہوں نے واقعی تاریخ کی بنیاد پر یہ کہا کہ احادیث ساری کی ساری فرضی اور جعلی ہیں، حضور ﷺ نے نہیں لکھی تھیں، تو جو چیز حضور ﷺ نے یقینی طور پر لکھوائی ہے یعنی قرآن مجید تو کیا انہوں نے اسے مان لیا کہ یہ اصلی حالت میں چلی آرہی ہے اور واقعی اللہ کا معجزہ ہے اور اسے مانتے ہیں، اور اس پر ایمان لاتے ہیں، اور احادیث کو اس لئے نہیں مانتے کہ یہ غیر مستند ہے۔ اگر وہ قرآن کو مان لیتے ہیں تو کسی حد تک ہم ان کے احادیث پر اعتراضات کو وزن دیں۔ جس چیز کو وہ صحیح مان رہے ہیں، اس کے باوجود اس کو وہ قبول نہیں کرتے تو ان کے قول فعل کا کیا اعتبار ہے۔ ایک چیز کو صحیح ماننے کے باوجود نہیں مانتے، اس سے تو ان کی بددیانتی ظاہر ہے کہ ایک چیز کو صحیح مان رہے ہیں لیکن اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو اس سے ان کی بددیانتی تو ثابت ہوگئی۔

اس طرح سے لوگ اس بے بنیاد پروپیگنڈے سے متاثر ہوجاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور چیز لکھنے کی ممانعت فرمائی، لیکن کچھ خاص صحابہ کرام ایسے تھے جن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احادیث کے لکھنے کی اجازت دی، بل کہ ان کے لئے دعا بھی فرمائی اور ان کو شوق بھی دلایا کہ وہ احادیث کو مرتب کریں اور لکھیں۔

پچھلی صدیوں میں چوں کہ اس کی ضرورت پیش نہیں آئی کہ محدثین تاریخ حدیث کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے اور اس نقطہ نظر سے اس کی تاریخ مرتب کرتے کہ احادیث کی تدوین، کتابت کا اور تصنیف وتالیف کا آغاز کب ہوا، اس لئے کہ مسلمانوں میں نہ اس طرح کے شبہات پیدا ہوئے اور نہ اس طرح کے فاسد خیالات باہر سے ان میں داخل ہوئے، لیکن جب ان احادیث پر اس طرح کے اعتراضات کئے گئے تو مسلمان علما کو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ اس نقطہ نظر سے ان احادیث کی تاریخ کا جائزہ لیں اور حدیث کی تاریخ کا جو مواد بکھرا ہوا ہے، اس ذخیرے کو یک جا کر کے پتہ چلائیں کہ امر واقعی کے اعتبار سے احادیث کی تدوین کا کام کیسے ہوا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلا نام مولانا مناظر احسن گیلانی کا ہے، تدوین حدیث پر ان کی ضخیم کتاب ہے۔ آپ اس کو ملاحظہ فرمائیے تو اندازہ ہوگا کہ انہوں نے علم حدیث کی تاریخ کا ایک خاص رخ متعین کیا، جس رخ پر چل کر کام کرنے کے لئے بعد میں اور حضرات بھی آگئے، اور

انہوں نے بڑا نمایاں کام کیا، اس سلسلے تین حضرات کا نام میں آپ کے سامنے لینا چاہوں گا، جن کی تحقیق کا خلاصہ مختصر طور پر میں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔ ان تین حضرات کا کام ایسا ہے کہ انہوں نے گولڈزیہر اور شاخت کے ان سارے اعتراضات کو ختم کر دیا ہے۔ اب کوئی آدمی بہ حالت ہوش وحواس یورپ کے مستشرقین میں یہ اعتراض نہیں دہراتا، اگر یہاں پاکستان ہندوستان میں، یا مسلم ممالک میں دہراتا ہے تو وہ ان کی تحقیقات سے ناواقف ہے اور وہ اپنے مطالعے اور معلومات کی کمی کی وجہ سے یہ اعتراض کرتا ہے۔ ان تین حضرات کے نام ہیں:

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

۲۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی

۳۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی

ان تینوں حضرات کا تعلق اتفاق سے ہمارے برصغیر سے ہے، اور دو آدمیوں کا تعلق اعظم گڑھ سے ہے، ان تین حضرات نے تاریخ تدوین وحفاظت حدیث پر بڑی تحقیق کی ہے، اور تحقیق کرنے کے بعد انہوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ سارے اعتراضات غلط ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ بات تاریخی اعتبار سے بالکل غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جو کچھ فرمایا گیا، اس میں سے قرآن مجید کے علاوہ کوئی ہدایات اور فرمودات نہیں لکھے گئے، یہ بات بالکل غلط ہے، صحاح ستہ یعنی حدیث کی چھ مشہور کتابوں کا ہی جائزہ لیں تو اس میں بیسیوں ایسی مثالیں موجود ہیں، بیسیوں ایسے واقعات موجود ہیں، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے فلاں فلاں چیز لکھی گئی۔ وہ مشہور واقعہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے چھٹے سال کے اوائل میں مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو تبلیغی ودعوتی خطوط لکھے۔ جن کی تعداد کئی سو ہے، دنیا کے مختلف علاقوں میں ان خطوط میں سے جو حضور ﷺ نے سیکڑوں کی تعداد میں لکھے چھ خطوط ایسے ہیں جو آج اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں۔ کم از کم ان میں سے ایک خط کی زیارت کا شرف مجھے بھی استنبول میں حاصل ہوا ہے۔ یہ چھ خطوط وہ ہیں جن کا دنیا کے مشہور ترین ماہرین مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ اپنی اصلی حالت میں دنیا میں موجود ہیں، ان چھ خطوط کے حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ نے فرنچ میں کتاب لکھی ہے اس کا عنوان بھی یہی ہے: رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب کی چھ اصلیں۔ انہوں نے چھ کے چھ خطوط میں سے باقاعدہ ہر ہر خط پر الگ الگ سیر حاصل تبصرہ کر کے یہ بتایا ہے کہ ان خطوط کی حیثیت کیا ہے؟ ان چھ خطوط میں حضور ﷺ

کے نامہ مبارک کی جو عبارتیں ہیں وہ حدیث کی چھ کتابوں میں یعنی صحاح ستہ موجود ہیں، اور وہ بعینہٖ وہی عبارتیں ہیں، جو ان چھ خطوط میں آج ہمارے سامنے موجود ہیں وہ اس سے بڑھ کر حدیث کی صحت کی دلیل اور نہیں ہوسکتی کہ صحیح بخاری جس کے بارے میں یہ اعتراضات تھا کہ امام بخاریؒ کی وفات ۲۵۶ ہجری میں ہوئی اور ۱۹۶ھ میں وہ پیدا ہوئے، یوں حضورﷺ کی وفات کے ۱۸۶ سال بعد ایک شخص پیدا ہوتا ہے تو اس کے بارے میں کیا ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جو حضورﷺ کے فرمودات اس نے جمع کئے وہ اصلی شکل میں ہیں یا اس میں کافی ردوبدل ہو چکا ہے؟ ان چھ خطوط کی دریافت کے بعد اب یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب کہ ان چھ کے چھ خطوط مبارکہ کا جو متون حدیث کی کتابوں میں ہے، وہ سارے کا سارا وہی ہے جو ان چھ دریافتوں میں موجود ہے، اس کے علاوہ صحیح بخاری اگر آپ دیکھیں اور وہاں حجۃ الوداع کا بیان آپ دیکھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور خطبہ جو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد جب آپﷺ بیٹھ گئے تو یمن کے ایک صحابی تھے ابوشاہ، انہوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو بڑا اچھا خطبہ ہے، اس میں بڑی اچھی ہدایات آپ نے فرمائیں، یہ تو مجھے یاد نہیں رہے گا، اس لئے اگر ہو سکے تو آپ مجھے لکھ کر دے دیں تو بخاری کے الفاظ ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا:

اکتبو لابی شاہ(۵)

ابوشاہ کو لکھ کر دے دو

چناں چہ ابوشاہ کو وہ خطبہ لکھ کر دے دیا گیا۔

ایک مشہور صحابی ہیں، ابومحمد عمرو ابن حزم۔ ان کو سن ۹ ہجری میں رسول اللہﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا۔ اور ان کو رسول اللہﷺ نے جانے سے پہلے ایک تفصیلی یادداشت Memrendum لکھ کر یا لکھوا کر دی، جس میں زکوٰۃ کے بارے میں تفصیلی احکامات تھے، جس میں دیت اور قصاص کے بارے میں تفصیلی احکامات تھے اور بہت سے ایسے مسائل کے بارے میں تفصیلی ہدایات تھیں، جن کی قاضی کو روزمرہ کے مسائل اور مقدمات میں ضرورت پڑ سکتی ہے، یہ ساری کی ساری تحریر آج اپنی اصلی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے اور اس کے مختلف ٹکڑے حدیث کی کتابوں میں جابجا موجود ہیں۔ چناں چہ سنن دارقطنی میں اس کے ٹکڑے موجود ہیں اور ڈاکٹر حمید اللہ نے ان تمام ماخذ کو جمع کر کے ان کو مشہور کتاب الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی والخلفاء الراشدین میں یک جا کر دیا ہے۔ یعنی رسول اللہﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانے میں سیاسی

نوعیت کی جو تحریری دستاویزات تھیں وہ انہوں نے پانچ سو دستاویزات اس کتاب میں جمع کی ہیں۔ یہ پانچ سو دستاویزات بھی وہ ہیں جو حدیث کہلاسکتی ہیں، اس لئے کہ حدیث حضورﷺ کا قول، فعل اور عمل کا نام ہے۔ تو اس میں یہ ساری دستاویز مکمل شکل میں موجود ہے جو ظاہر ہے حضورﷺ کی ارشاد فرمودہ ہے، اس کی حدیث ہونے میں، سنت ہونے میں کسی کو شک نہیں۔

آپ نے سنا ہوگا جب رسول اللہﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دو سال بعد آپ نے مشہور چارٹر آف مدینہ مرتب فرمایا، جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کی تاریخ کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے، جو آج ہمارے سامنے موجود ہے جس میں ۵۴ دفعات ہیں، یہ خود حضورﷺ کی اپنی نگرانی میں مرتب ہوا، لکھوایا گیا اور آج ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس کے علاوہ حضرت علیؓ سے ان کی خلافت کے زمانے میں ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہﷺ نے قرآن مجید کے علاوہ بھی کوئی چیز آپ کو لکھ کر دی تھی، تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں قرآن مجید کے علاوہ حضورﷺ نے ہمیں دو چیزیں لکھ کر دی تھیں، ایک تو حکمت اور دانائی حضورﷺ نے ہمیں سکھائی، اور دوسری وہ یادداشت جو میری اس تلوار کے نیام میں موجود ہے، اور پھر حضرت علیؓ نے اپنی تلوار کے نیام میں سے ایک یادداشت نکال کر دکھائی کہ یہ بھی حضورﷺ نے لکھوا کر مجھے دی تھی، جب مجھے کسی علاقے میں معلم بنا کر بھیجا تھا، تو یہ چیز لکھ کر دی تھی اور اس میں یہ اور یہ احکام تھے، ان میں سے بعض حضرت علی نے پڑھ کر سنائے جو حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اس طرح کی منتشر مثالیں بے شمار ایسی ہیں جو مولانا مناظر احسن گیلانی نے خود حدیث کی کتابوں سے جمع کی ہیں، جن سے یہ پتہ چلا کہ رسول اللہﷺ کا یہ حکم تھا کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور چیز نہ لکھی جائے، ایک عام حکم تھا، اس میں بہت سے مستثنیات بھی تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا مصلحت تھی کہ جس کی وجہ سے رسول اللہﷺ نے عام طور سے تو ممانعت فرمائی، لیکن بعض خاص حضرات کو حضورﷺ نے اجازت بھی دی۔ اس کی مصلحت یہ بتائی جاتی ہے کہ عرب میں آپ جانتے ہیں کہ لکھنے پڑھنے کا رواج بہت تھوڑا تھا اور عام طور پر عرب میں مکے میں مدینے میں یا کسی بھی اور علاقے میں لوگ لکھنا پڑھنا نہیں سیکھتے تھے، انہیں لکھنے پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔ ان کا طرز زندگی ایسا تھا کہ لکھنے پڑھنے کی ضرورت عام طور پر پیش نہیں آتی تھی، چناں چہ بلاذری کی مشہور روایت ہے، فتوح البلدان میں اس نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہﷺ نے نبوت کا آغاز فرمایا تو عرب میں، قریش میں صرف ۱۷ آدمی لکھنا جانتے

تھے، ممکن ہے اس میں مبالغہ ہو۷ انہ جانتے ہوں ۱۸ جانتے ہوں ۱۸ نہ ہوں ۲۰ جانتے ہوں، لیکن اس روایت سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ بہت محدود تعداد میں لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور عام طور پر عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا۔

چناں چہ آپ کو حیرت ہوگی عرب کا مشہور شاعر صف اول کا شاعر طرفہ ابن عبد جس کا معلقہ مشہور ہے، اگر آپ میں سے کسی کو عربی ادب کا ذوق ہو تو سبع معلقہ آپ نے پڑھا ہوگا، اس میں طرفہ ابن عبد کا قصیدہ بھی ہے تو طرفہ پورے عرب کی تاریخ میں وہ شاعر ہے جس کو عرب کے سات بڑے شاعروں میں شمار کیا گیا اور اس حد تک کہ اس کا قصیدہ کعبے میں بھی لٹکایا گیا کہ یہ ہماری شاعری اور ادب کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتا تھا، لیکن شاعر اتنا بڑا تھا ایک بادشاہ طرفہ سے اور اس کے ماموں سے ناراض ہو گیا، طرفہ کا ماموں بھی شاعر تھا، اس کا نام متلمس تھا، اس نے کہا کہ میں تمہیں بڑا انعام دوں گا، تم فلاں بادشاہ کے پاس جاؤ وہ تمہیں بڑے انعام واکرام سے نوازے گا اور ایک خط لکھ کر دیا کہ یہ دونوں آرہے ہیں تو جیسے ہی تمہارے پاس آئیں تم ان کی گردن اڑا دینا۔ یہ دونوں وہ خط لے کر بڑے خوش خوش بادشاہ کے پاس جا رہے تھے کہ ہمیں بڑا انعام ملے گا اور پتہ نہیں کیا کیا مل جائے گا، اتفاق سے طرفہ کے ماموں کو کچھ شبہ ہوا کہ میرے نام جو خط ہے میں کسی سے پڑھوا کر دیکھوں کہ اس میں کیا ہے، تو اس نے راستے میں ایک شخص سے پوچھا کہ پڑھنا جانتے ہو، اس نے کہا کہ ہاں جانتا ہوں، اس نے کہا کہ ذرا یہ خط پڑھ کر بتاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے، اس نے کہا کہ اس میں لکھا ہے کہ جب متلمس تمہارے پاس آئے تو اس کی گردن اڑا دینا۔ یہ سن کر متلمس نے کہا کہ میں تو نہیں جاتا، اس نے خط کو پھاڑ کر پھینکا اور چلا گیا، اس نے طرفہ سے بھی کہا تو بھی اپنا خط پڑھوا کر دیکھ لے، اس نے کہا نہیں میرے خط میں تو انعام ہے میں تو نہیں پڑھواتا، چناں چہ اس نے خط نہیں پڑھوایا اور بادشاہ کے دربار میں چلا گیا، اور وہاں اس کی گردن اڑا دی گئی۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ، اتنے بڑے بڑے شاعر، شاعری کے اعتبار سے آج بھی اس کا قصیدہ پڑھیں تو آدمی کی رگوں میں ایک سرسراہٹ پیدا ہو جاتی ہے، لیکن وہ نہ لکھنا جانتا تھا نہ پڑھنا۔

ایک ایسے ماحول میں رسول اللہ ﷺ نے بہت مناسب طور پر یہ محسوس فرمایا کہ اگر سب کچھ لکھنے کی اجازت دی گئی تو قرآن وحدیث اور سنت آپس میں اس قدر مل جائیں گے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہو جائے گا کہ یہ قرآن کی عبارت ہے اور یہ سنت کی

عبارت ہے، حدیث کی عبارت ہے، اس لئے صرف قرآن مجید لکھیں اس کے علاوہ کوئی اور چیز قلم بند نہ کریں، لیکن جن صحابہ کرام کے بارے میں حضورﷺ کو یہ یقین اور اعتماد تھا کہ ان کا علم اور تجربہ اور قرآن مجید کے بارے میں ان کی واقفیت اتنی مضبوط اور گہری ہے کہ وہ کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے وہ دونوں چیزوں کو خلط نہیں کریں گے ان کو حضورﷺ نے لکھنے کی اجازت دی۔

چناں چہ حضرت علی کے بارے میں، میں نے عرض کیا کہ آپﷺ نے حضرت علی کو کچھ احادیث لکھوائیں، ابو محمد عمرو ابن حزم کو لکھوائیں کہ وہ حضور کے تربیت یافتہ تھے، اور اتنے فاضل تھے کہ قاضی بنا کر بھیجے گئے تو اتنے تجربہ کار آدمی تھے کہ ان سے یہ شبہ نہیں تھا کہ وہ حدیث اور قرآن کو باہم خلط کریں گے، یا ابو شاہ کے لئے حضورﷺ نے لکھوا کر دیا کیوں کہ وہاں کنفیوژن کا خطرہ نہیں تھا۔ اسی طرح جب حضورﷺ نے تبلیغی نامہ مبارک بھیجے تو ظاہر ہے کہ تبلیغی خط کے طور پر وہ چیز بھیجی گئی تھی، اس کو قرآن مجید سے خلط کرنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اس لئے صحابہ کرام میں ایسے حضرات بہت بڑی تعداد میں تھے کہ جن کو حضورﷺ نے خاص طور پر اجازت دی کہ وہ حضور کی احادیث اور فرمودات کو لکھا کریں، لیکن عام طور سے ان کی ممانعت فرمائی کہ عام لوگ ایسا نہ کریں۔

اب میں آپ کو چند مثالیں اس بات کی دیتا ہوں کہ رسول اللہﷺ کے زمانے میں کن کن صحابہ کرام نے باقاعدہ احادیث کے مجموعے مرتب فرمائے۔ ان میں سب سے مشہور مجموعہ الصحیفۃ الصادقۃ ہے۔ یعنی سچا صحیفہ۔ ایک مشہور صحابی ہیں عبداللہ ابن عمرو ابن العاص، عمرو ابن العاص جو مشہور صحابی ہیں ان کے صاحب زادے۔ آپ نے بہت سے لوگوں کو عمرو پڑھتے ہوئے سنا ہوگا، کیوں کہ اس میں واو لکھا جاتا ہے تو یہ وہی صاحب ہیں جن کے نام کو لوگ غلط پڑھتے ہیں، عبداللہ ابن عمرو ابن العاص ان کے والد تو سیاست میں پیش پیش رہے، فتوحات میں، جنگوں میں لیکن صاحب زادے کی دل چسپی فتوحات، جنگوں سے جہاد اور تلوار سے کوئی خاص نہیں تھی۔ ان کا صرف علمی مشغلہ تھا، وہ ہمیشہ مدینے میں رہے اور رسول اللہﷺ جو بات ارشاد فرماتے تھے اسے یاد کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا کہ ایک کاپی خرید کر حضورﷺ سے جو باتیں سنا کریں اس میں لکھ لیا کریں۔ چناں چہ انہوں نے لکھنا شروع کر دیا تو صحابہ کرام میں سے بعض حضرات نے منع کیا کہ دیکھو حضور تو بعض اوقات کسی موڈ میں ہوتے ہیں، کبھی مذاق کا موڈ ہے، کبھی کچھ ہے، کبھی عام باتیں ہیں، تم یہ سب لکھتے ہو، یہ نہ لکھا کرو۔ وہ حضورﷺ کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ میں تو اس طرح لکھنا چاہتا تھا، لیکن لوگوں کا خیال یہ ہے، تو آپﷺ نے فرمایا

کہ نہیں، تم ضرور لکھا کرو، پھر آپ ﷺ نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس سے حق کے علاوہ اور کوئی چیز صادر نہیں ہوگی، اس لئے تم لکھا کرو اور حضور ﷺ نے ہی ان کے مجموعے کا یہ نام رکھا الصحیفۃ الصادقۃ کہ تم جو لکھو گے وہ صحیفہ صادقہ ہوگا، اس میں سچی باتیں ہوگی، اس طرح انہوں نے ایک مجموعہ حضور ﷺ کے زمانے میں مرتب کروایا تھا، جو تقریباً ڈھائی سو احادیث پر مشتمل تھا، اور وہ صحیفہ ان کے بعد ان کے صاحب زادے شعیب ابن عبداللہ کو جوں کا توں مل گیا اور انہوں نے ان کو پڑھوایا۔ ظاہر ہے بیٹے کو سنایا، انہیں یاد کروایا، اس کے بعد وہ کتاب ان کو دے دی۔ شعیب ابن عبداللہ اس کو پڑھاتے رہے، پڑھتے رہے، اس کو یاد کرتے رہے۔ شعیب ابن عبداللہ کے بیٹے تھے عمرو ابن شعیب۔ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت عمرو ابن شعیب کو دے دیا۔ یوں وہ مجموعہ عمرو ابن شعیب کو مل گیا۔ عمرو ابن شعیب نے اس کو پھیلا کر عام کر دیا۔ انہوں نے ایک بہت بڑا حلقہ درس قائم کیا، جس میں وہ یہ کتاب پڑھایا کرتے تھے ان کے سیکڑوں شاگرد ہیں، چناں چہ صحاح ستہ میں سے حدیث کی کوئی کتاب دیکھیں، بخاری ہو، مسلم ہو، ترمذی، ابوداؤد جو کتاب آپ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو تقریباً کوئی پانچ سات صفحے کے بعد آپ کو ایک سند حدیث ملے گی، عن عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، تو وہ یہی صحیفہ ہے جس کی روایات میں عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے یعنی شعیب ابن عبداللہ سے اور عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے روایت کرتے ہیں، حدیث کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھیں، تجربے کے طور پر دس بارہ صفحے پلٹیں، آپ کو ایک روایت یہ نظر آئے گی: عن عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن النبی ﷺ، تو گویا یہ صحابہ کرام کا مرتب کیا ہوا پہلا ذخیرہ ہے، اور یہ ذخیرہ جوں کا توں مسند امام احمد میں موجود ہے۔

مسند امام احمد جب انہوں نے مرتب کی تو انہوں نے اپنے استاد سے، اور انہوں نے اپنے استاد سے، انہوں نے عمرو ابن شعیب سے یہ صحیفہ پورے کا پورا سنا اور اپنی مسند میں جوں کا توں محفوظ کر لیا، تو گویا ہمارے سامنے اپنی اصل شکل میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا، حضور ﷺ کے زمانے میں نقل کیا ہوا، مجموعہ موجود ہے، جو باپ کے بعد بیٹے کو، بیٹے کے بعد پوتے تک پہنچا، پوتے نے اس کی روایت کی اور ہزاروں آدمیوں نے ان سے سنا اسے امام احمد جیسے جلیل القدر محدث نے اپنی کتاب میں محفوظ کر لیا۔ مسند امام احمد کی فہرست میں عمرو ابن شعیب تلاش کیجئے، تو یہ ساری حدیثیں وہاں موجود ہیں۔ یہ صحیفہ صادقہ ہے۔

اس کے علاوہ جو بڑے راوی ہیں، جنہوں نے خود حضور ﷺ کے زمانے میں احادیث مرتب فرمائیں، وہ حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ کی مثال میں نے اس لئے منتخب کی کہ ان کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں لوگوں نے پھیلائی ہیں۔ جن میں سے جو واضح غلط فہمی تھی اس کو مصطفیٰ اعظمی صاحب نے چٹکیوں میں حل کر دیا ہے۔ اس کی تفصیل ابھی میں آپ کو بتاؤں گا۔ جب اعتراض بتاؤں گا تو بہت بڑا معلوم ہوگا، اور جب مصطفیٰ اعظمی کی تحقیق میں آپ کو بتاؤں گا تو آپ کو حیرت ہوگی، جیسے مجھے حیرت ہوئی کہ اتنا بے بنیاد اعتراض میرے ذہن پر طاری ہوا۔ یہ کہا جاتا تھا اور بڑے بڑے لوگ کرتے تھے، اور میں سچ آپ سے کہتا ہوں کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا، اور بہت لوگوں نے مجھ سے کہا، جب تک میں نے مصطفیٰ اعظمی صاحب کی کتاب نہیں پڑھی تھی، میں اس کا جواب نہیں دے سکا۔ اعتراض یہ تھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ ساتویں سن ہجری کے آخر میں یعنی فتح خیبر کے بعد اسلام لائے اور آٹھ نو دس تین سال، سوا تین سال وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہے۔ ظاہر ہے ان تین برسوں میں وہ کھاتے بھی ہوں گے، پیتے بھی ہوں گے، کہیں ضرورت سے وہ بازار بھی جاتے ہوں گے، غسل خانے بھی جاتے ہوں گے، نہاتے بھی ہوں گے، پھر حضور ﷺ کے سونے کا آرام کا وقت بھی ہوتا ہوگا، تو اس حساب سے کم سے کم وقت فرض کر لیں تو حضور ﷺ کے ساتھ تین چار پانچ گھنٹے وہ روزانہ رہتے ہوں گے، اس سے زیادہ تو نہیں ہو سکتا، کوئی آدمی معروف ترین شخصیت کے ساتھ کتنا رہ سکتا ہے، جتنے حضور ﷺ معروف تھے کہ وفود بھی آ رہے ہیں، فوجیں بھی جا رہی ہیں، حضور ﷺ جہاد کے لئے باہر بھی جا رہے ہیں۔ مکہ فتح کرنے گئے تو مہینے میں واپس آئے، تو یہ سارے سفر بھی ہوتے تھے۔ چلئے ابو ہریرہؓ سفر و حضر میں ہر وقت ساتھ رہتے ہوں، لیکن ان سے جو روایات جو مروی ہیں ساری کی ساری تقریباً پونے چھ ہزار ہیں، تو اب ایک آدمی جو تین سال حضور ﷺ کے ساتھ رہا ہو وہ پونے چھ ہزار روایت کرتا ہے اور بہت سے ایسے صحابہ کے جو اس سے طویل عرصے ساتھ رہے، حضرت عائشہ ہیں۔ جن کی چار ہزار سے کچھ زیادہ ہیں اور کئی صحابہ ہیں جو شروع سے ساتھ ہیں، حضرت ابو بکر صدیق ہیں جو ۲۳ سال ساتھ رہے، لیکن ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے، تو آخر حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی روایات کی تعداد اتنی زیادہ کیوں ہے، اور اگر ان روایات کو دنوں پر تقسیم کیا جائے تو ایک دن میں بہت بڑی تعداد بنتی ہے، تو کیا ان کا دماغ کوئی کمپیوٹر تھا، حافظہ تھا، کیا بات تھی، آخر ان سے کیوں اس طرح کی روایات مشہور ہوئیں، جب کہ باقی صحابہ جو زیادہ طویل عرصے ساتھ

رہے ہیں اور بعد تک زندہ رہے، ان سے اس درجے کثرت سے روایات کیوں نقل نہ ہوسکیں؟ حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں تو کہا جاسکتا ہے کہ حضورﷺ کے دو سال بعد ان کا انتقال ہوگیا، اور ان کے زمانے میں سارے صحابہ زندہ تھے، کوئی ایسا آدمی نہ تھا جس نے حضورﷺ کو نہ دیکھا ہو، تو ایسے میں حضرت ابوبکرؓ اگر روایات اور احادیث بیان کرتے تو کس سے بیان کرتے۔ اس لئے ان کی روایات کی کم ہونے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے، لیکن ایسے صحابہ جو سن ۴۰ تک ۵۰ تک ۶۵ تک زندہ رہے، لیکن ان کی روایات کا ذخیرہ اتنا نہیں ہے، جتنا ابوہریرہؓ کا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کہیں تبدیلی یا اضافہ ہوا ہے۔ لیکن اب یہ اعتراض ایسا ہے کہ واقعی بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے۔

مصطفیٰ اعظمی نے یہ مسئلہ بالکل حل کردیا، انہوں نے پہلا جواب تو خود حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت سے دیا، اور دوسرا ایک اور جواب ہے، جو میں ابھی عرض کرتا ہوں، ان دونوں کو آپ ساتھ رکھیں تو پھر جواب بنتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں جب اسلام لایا تو نہ میرا کوئی گھر تھا نہ میرا کوئی اور ذریعہ آمدن تھا، نہ میرے بیوی بچے تھے نہ فیملی، کچھ بھی نہیں تھا، میں دن رات مسجد نبوی میں رہتا تھا۔ رات کو وہاں سوتا تھا، اور تمام دن مسجد نبوی میں بیٹھا رہتا تھا، لوگ مجھے لاکر کھانا دے دیا کرتے تھے، یا کوئی کھانے کے لئے گھر لے جاتا تھا، میں کھانا کھا کر وہاں پھر آجاتا تھا اور منتظر رہتا تھا کہ رسول اللہﷺ کب کمرے سے مکان سے باہر تشریف لاتے ہیں، جب باہر تشریف لائے تو میں جا کر بیٹھ گیا اور جو حضورﷺ نے فرمایا میں نے سنا اور اسے یاد کرلیا۔ اس کے بعد آپ مزید سنئے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ جو آپ فرماتے ہیں میں بھول جاتا ہوں، اس وقت تو یاد ہوجاتا ہے بعد میں بھول جاتا ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حضور نے میرے لئے حافظے کی دعا بھی فرمائی اور یہ کہا:

استعن بیمینك

اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو

یعنی لکھ لیا کرو، تو میں نے کاغذ قلم خرید لیا اور جو حضورﷺ فرماتے تھے وہ میں لکھ لیا کرتا تھا۔ حضور کی دعا کے بعد میرا حافظہ اتنا تیز ہوگیا کہ میں چیزیں بھولتا نہیں تھا۔ یہ ان کا اپنا بیان موجود ہے، تو اب ایک بات تو یہ پتہ چلی کہ انہوں نے جو حدیثیں بعد میں بیان فرمائیں وہ محض یادداشت کی بنیاد پر نہیں تھیں، بل کہ تحریری یادداشت کی بنیاد پر تھیں۔ دوسری یہ کہ حضور کی دعا کے نتیجے

میں ان کا حافظہ اتنا مضبوط ہو گیا تھا کہ جو چیز وہ سنتے تھے وہ انہیں یاد رہتی تھی۔

لیکن پھر بھی یہ جواب ایسا ہے کہ ایک مسلمان کو مطمئن کر سکتا ہے، غیر مسلم کہے گا کہ یہ ایک بے کار سی بات ہے کہ ایک دعا کر دی تو حافظہ اچھا ہو گیا، یہ محض ایک دعویٰ ہے۔ مصطفیٰ اعظمی کی ایک کتاب ہے تین سو صفحے کی ہے، ابو ہریرہ و مرویاتہ۔ بیروت سے چھپی ہے۔ ابو ہریرہ اور ان کی روایت کردہ حدیثیں، اس میں انہوں نے یہ لکھا ہے۔ انہوں نے ساری حدیثوں کو جو حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہیں اور حدیث کی کتابوں میں آتی ہیں، ان چھ مشہور کتابوں میں یا مسند وغیرہ میں جہاں بھی آتی ہیں ان سب کو کمپیوٹر میں feed کیا، ان ساری حدیثوں کو اور ان ساری سندوں کو بھی کمپیوٹر میں فیڈ کر دیا۔

ضمناً ایک چھوٹی سی بات پہلے عرض کر دوں کہ جب محدثین یہ کہتے ہیں کہ فلاں محدث نے بیس ہزار روایات کیں تو ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ بیس ہزار متن روایت کئے، اس لئے کہ جس چیز کو ہم حدیث کہتے ہیں، اس میں ہمارے سامنے دو چیزیں آتی ہیں، ایک تو میں نے ابھی عرض کی کہ عن مالک عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جز تو حدیث کا یہ ہے جو سند کہلاتا ہے، اور دوسرے وہ الفاظ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں، ان دونوں کے مجموعے کو حدیث کہا جاتا ہے، اب اگر اس میں کوئی ایک جزوی سا اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو وہ ایک نئی حدیث شمار ہو گی یا نہیں ہو گی، مثلاً امام مالک نے کئی ایک اساتذہ سے ایک حدیث سنی، ان میں سے ایک نافع بھی تھے، اگر باقی یہی سارا بیان ہو کہ عن ابن عمر عن النبی ﷺ انہ قال کذا و کذا یہ سارا کا سارا جوں کا توں ہو، لیکن یہ بات نافع نے امام مالک سے بیان کی، پھر یہی روایت امام مالک کے دوسرے استاد سے بھی نقل ہوئی، پھر امام مالک کے تیسرے استاد محمد ابن شہاب زہری نے بیان کی ہو، امام مالک کے چوتھے استاد مسرور نے بھی بیان کی ہو تو یہ ایک حدیث نہیں شمار ہو گی بل کہ چار حدیثیں شمار ہوں گی، اس لئے کہ استاد بدل گئے، سند بدل گئی، چوں کہ سند میں ایک تبدیلی پیدا ہو گئی، اس لئے اب یہ چار حدیثیں شمار ہوں گی، جب کہ امر واقع کی رو سے یہ ایک حدیث ہی ہے۔ حضور ﷺ نے ایک ہی بار فرمایا ہو گا۔ الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہے، چناں چہ یہ جو مشہور حدیث ہے:

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امر مانوی

تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہ ملے گا جس کی وہ نیت کرے۔

یہ ایک روایت ہے، ایک حدیث ہے، لیکن اگر اس روایت کی ساری سندیں آپ جمع

کریں، جتنی سندوں سے بھی آئی ہے تو یہ ۷۰۲ حدیثیں بنتی ہیں، محدثین کی اصطلاح میں یہ ۷۰۲ حدیثیں ہیں، اس لئے کہ ۷۰۲ سندوں سے یہ ایک حدیث روایت ہوئی ہے۔ تو محدثین کی اصطلاح میں یہ ۷۰۲ حدیثیں بنتی ہیں، چناں چہ اگر کوئی آپ سے اعتراض کرے کہ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے یہ چھ ہزار حدیثیں منتخب کیں تو اس کا مطلب ہے کہ چھ لاکھ حدیثیں غلط تھیں، ایسا نہیں ہے چھ لاکھ حدیثیں جو امام بخاری کے سامنے تھیں وہ چھ لاکھ سندیں تھیں اور چھ لاکھ سندوں میں سے جو سب سے بہترین سندیں تھیں وہ انہوں نے منتخب کرلیں اور باقی سندوں کو نظر انداز کردیا۔ بیانات تو وہی تھے، حدیثوں کی تعداد کوئی چھ سات ہزار ہی ہوگی، لیکن وہ چھ لاکھ سندیں تھیں، تو مصطفیٰ اعظمی نے حضرت ابو ہریرہ کی ساری چھ ہزار پونے چھ ہزار حدیثوں کو جمع کیا اور ان کو کمپیوٹر میں فیڈ کیا تو ان کو پتہ چلا کہ پونے چھ ہزار کا عدد جو بتایا جاتا ہے یہ دراصل سندیں ہیں، متون نہیں ہیں، اصل متن ۱۴۰۰ کچھ ہیں، ۱۵۰۰ سے کچھ کم اور ۱۴۰۰ سے زیادہ۔ تو جو اصل روایات ہیں جو حضرت ابو ہریرہ نے روایت کی ہیں، جو اصل متون ہیں وہ صرف ۱۴۰۰ کچھ ہیں، اگر وہ متون ۱۵۰۰، بھی مان لئے جائیں اور ۱۵۰۰ دنوں کو ان ساڑھے تین سال کے عرصے میں تقسیم کیا جائے جو حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ گزارے تو ایک دن میں دو حدیثیں بھی نہیں بنتیں، تقریباً ڈیڑھ بنتی ہیں، تو یہ بات انسانی طور پر بالکل ممکن ہے اور عام بات ہے کہ ایک شخص ۲۴ گھنٹے کسی کے ساتھ رہتا ہو اور اس کی بات سن کر یاد بھی کرتا ہو اور شام کو لکھ بھی لیتا ہو اور وہ اس کی سنی ہوئی دو باتیں روز لکھ لے تو یہ کام ہر شخص کرسکتا ہے، کسی بھی عام یادداشت کا آدمی اس کام کو کرسکتا ہے اور ۱۵۰۰، ۱۶۰۰ باتیں یاد رکھنا کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے۔ جب کہ وہ باتیں بھی لمبی چوڑی نہیں ہیں کہ دو دو گھنٹوں کی تقریریں ہوں، بل کہ دو دو تین تین جملوں کی باتیں ہیں، کوئی ایک جملہ ہے، کوئی تین جملہ اور کوئی پانچ جملے ہیں، لمبی سے لمبی حدیث ایک بڑے سائز کے صفحے پر نہیں آتی جو سب سے زیادہ طویل حدیثیں ہیں جس میں حجۃ الوداع کا خطبہ شامل ہے، وہ مشکل سے ایک نے پر آتا ہے، جو سب سے لمبی روایت ہے، ورنہ کوئی حدیث ایک سطر دو سطر تین سطر سے زیادہ نہیں ہے، تو اس طرح کی اتنی مختصر عبارت یاد کرلینا اور شام کو لکھ لینا کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اب اگر یہ بات پوری طرح سمجھ میں آجائے تو اس اعتراض میں بالکل وزن نہیں رہتا کہ حضرت ابو ہریرہ نے کس طرح یہ چھ ہزار روایتیں یاد رکھیں کہ انہوں نے اسے لکھا بھی، کیوں کہ وہ ۱۴۰۰ بیانات تھے، سند کے نتیجے میں اس کا شمار ۶۰۰۰ یا ساڑھے چھ ہزار قریب ہوا۔ اس سے قبل یہ

بات تو واضح تھی، لیکن کسی نے حضرت ابو ہریرہ کی ساری روایات کو جمع کر کے کمپیوٹر میں feed کر کے گنا نہیں تھا، یہ اسناد کتابوں میں منتشر تھیں، لوگوں نے یہ تو گنا تھا کہ ان کی حدیثوں کی تعداد اتنی ہے، لیکن اس میں یہ طے کرنا کہ اس میں سندیں کتنی ہیں اور اصل متن کتنے ہیں، یہ کبھی کسی نے نہیں کیا تھا، یہ کام کمپیوٹر کی وجہ سے آسان ہو گیا، کمپیوٹر میں فیڈ کرتے رہے اور کمپیوٹر نے چند لمحوں میں یہ نتائج بتا دیئے۔ اس سے پہلے نہ یہ اعتراض کسی نے کیا اور نہ لوگوں کو ضرورت پیش آئی، لیکن یہ بات واضح تھی کہ کس کی روایتیں کتنی ہیں، چناں چہ حضرت عائشہ کی روایات اتنی ہیں، فلاں کی اتنی فلاں کی اتنی، یہ بیان کتابوں میں ملتا ہے، یہ تفصیل تمام کتابوں میں موجود ہے۔ تو دوسرے راوی تھے حضرت ابو ہریرہؓ جو احادیث کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لکھا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ تیسرا نام میں نے ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کا لیا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی نے ایک کتاب لکھی ہے Studies in early hadith literatuse جو امریکا میں چھپی ہے، اور کئی بار چھپ چکی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے بڑا تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو احادیث کے مجموعے خود بہ راہ راست صحابہ کرام نے مرتب کئے۔ اس لئے کہ وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بہ راہ راست حضور سے باتیں سنیں اور وہ حضرات تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور مدینہ منورہ ہجرت کے بعد تو تمام آبادی لکھنا جانتی تھی، جیسا کہ سب کو معلوم ہے، بچوں کو ابتدا سے لکھنا پڑھنا سکھایا گیا۔ ان مجموعوں کی تعداد ۴۸ ہے۔ یہ ۴۸ مجموعے وہ ہیں جن کا باقاعدہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ تذکرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔ ۴۸ مجموعے وہ ہیں جو صحابہ کرام نے خود اپنی نگرانی میں مرتب فرمائے، ان میں سے ایک مجموعہ حضرت ابو ہریرہ تھا جس کا میں نے ابھی ذکر کیا، جو خود انہوں نے لکھا، یہ حضرت ابو ہریرہ مختلف اوقات میں اپنے شاگردوں کو پڑھاتے رہے ہیں، اور ان کے شاگرد ان سے سن کر اپنے اپنے ذخیرے مرتب کرتے رہے، چناں چہ اس طرح کا ایک ذخیرہ جو حضرت ابو ہریرہ کا مرتب کیا ہوا ہے اور ان کے شاگرد نے بہ راہ راست اس کو کاپی کیا، یہ دنیا میں موجود تھا اپنی اصلی شکل میں ایک لائبریری میں تھا، اسی طرح اس کا متن مسند امام احمد میں جوں کا توں موجود تھا، امام احمد نے اس کو جوں کا توں نقل کر لیا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کو دریافت کیا، اور پھر اس کو مرتب کیا، ان کے شاگرد کا نام تھا ہمام ابن منبہ، ہمام ابن منبہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کچھ روایات سن کر ان کو کتابی شکل میں کو مرتب کیا، یہ اصلی شکل میں موجود تھا، مسند امام احمد میں بھی اور مخطوطے کی شکل میں بھی، ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کو مرتب کر دیا ہے اور

صحیفہ ہمام ابن منبہ کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی موجود ہے۔ اصل عربی میں موجود ہے اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

یہ ان حضرات نے کام کیا ہے اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے سب سے پہلے ان کو ایک لائن دی تھی۔ اس طرح ان چار حضرات کا جو کام ہے اس کے نتیجے میں یہ اعتراض کہ احادیث جو ہمارے سامنے موجود ہیں وہ سب کی سب تیسری یا چوتھی صدی ہجری میں تحریر ہوئیں، اور اس پورے زمانے میں زبانی یادداشت کی بنا پر چلتی رہیں، بالکل بے بنیاد ہے اور غلط ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں صحابہ کرام ایک دو نہیں دس بیس نہیں، ۴۸ صحابہ کرام وہ ہیں جن کے بارے میں یہ تصریح تاریخ میں موجود ہے کہ ان کی حدیث کے مجموعے ان کے پاس موجود تھے، انہوں نے اپنی نگرانی میں یہ چیز لکھی اور اس کو مرتب کرایا اور بعد کی نسلوں تک اس کو منتقل کروایا۔

اس کے بعد ان مجموعوں سے جو چیز ہمارے سامنے پہنچتی ہے اور ان کتب حدیث میں موجود مواد سے جب ہم ان کا تقابل کرتے ہیں تو بالکل ایک لفظ یا ایک شوشے کا فرق بھی ہمارے سامنے نہیں آتا، مثلاً یہ خط نامہ مبارک، جس کا میں نے ذکر کیا، جو میں نے وہاں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا، استنبول میں موجود ہے اور ہرقل کے نام ہے اس کی پوری عبارت آپ پڑھ لیجئے، صحیح بخاری کا نسخہ تلاش کیجئے اور اس خط کا عکس بھی جو سب جگہ عام ملتا ہے آپ نے دیکھا ہوگا اس کا فوٹو اکثر کیلنڈروں پر ہوتا ہے۔ یہ خط مبارک چمڑے پر ہے۔ چمڑے کا اس زمانے میں عام رواج تھا، اور سرکاری خط و کتابت کے لئے چمڑا عام استعمال ہوتا تھا، بڑا خوب صورت ڈیزائن ہے، خاص طور پر جب کسی بڑے آدمی کو خط بھیجا جاتا تھا تو وہ کاغذ پر نہیں بل کہ چمڑے پر بھیجا جاتا تھا کیوں کہ چمڑا ذرا خوب صورت ہوتا ہے اور اس پر لکھا ہوا بھی بہت اعلیٰ ہوتا ہے، اور پھر اس کو کسی لکڑی یا چاندی کے باکس میں بند کر کے پیش کیا جاتا تھا، اس کو رول کرتے تھے اور رول کرنے کے بعد چاندی کے یا پیتل کے ڈبے میں ڈال کر اس طرح پیش کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ یونی ورسٹی کی ڈگری جب کسی کو دی جاتی ہے تو وہ اسی طرح دی جاتی ہے، یہ اسی روایت کا تسلسل ہے کہ جب کوئی خاص چیز دی جائے تو وہ اہتمام کے ساتھ ڈبے میں ڈال کر دی جائے۔ اس لئے اہم خطوط وغیرہ کے لئے اس زمانے میں چمڑا استعمال ہوتا تھا، اس خط کے عکس کو آپ سامنے رکھیں اور صحیح بخاری میں جو متن ہے اسے سامنے رکھیں تو آپ کو بالکل ایک شوشے کا فرق بھی نظر نہیں آئے گا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ الی ھرقل عظیم

الروم سلام علی من اتبع الهدی اما بعد: فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم فان تسلم يوتك الله اجرك مرتين وان توليت فانما عليك اثم الاريسيين، قل ياهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله والسلام علی من اتبع الهدی.

محمد رسول اللہ

یہ اس خط کی عبارت ہے جو بالکل لفظ اسی شکل میں اس نامہ مبارک میں موجود ہے، جو استنبول میں رکھا ہوا ہے اور بالکل بعینہٖ ان ہی الفاظ میں آپ صحیح بخاری میں یا کسی بھی ایسی کتاب میں آپ دیکھ لیں۔ اس سے بڑھ کر اس کی کوئی اور دلیل نہیں ہو سکتی کہ جو جن حضرات نے حدیث کے ذخیرے کو ہمارے سامنے محفوظ رکھا انہوں نے کسی حد تک جزوی اور لفظی یعنی باریکی کے ساتھ لفظ بہ لفظ اسے محفوظ رکھا۔

یہ مختصر طور پر تاریخ حدیث کا حفاظت و کتابت حدیث کا جائزہ تھا۔ یہ تھا حفاظت حدیث کا وہ انداز جو صحابہ کرام کے زمانے میں رہا۔ صحابہ کرام کے بارے میں یہ سب جانتے ہیں کہ وہ اطراف واکناف میں پھیل گئے۔ مصر میں اور شام میں اور عراق میں حتیٰ کہ افغانستان تک اور حتیٰ کہ ہمارے برصغیر میں جو موجودہ بلوچستان کا علاقہ ہے، یہاں تک صحابہ کرام تشریف لائے اور اس پورے علاقے کا انہوں نے سروے کیا، ایک دلچسپ بات، ایک چھوٹا سا جملہ مجھے یاد آیا، اگر آپ میں سے کچھ حضرات عربی جانتے ہوں تو وہ اس سے محظوظ ہوں گے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ایک صحابی تھے جو بلوچستان کے کسی علاقے میں تبلیغ کے لئے از خود تشریف لائے، جب وہ یہاں آئے تو اسی زمانے میں ایک تجویز آئی کہ مکران اور بلوچستان کے علاقے کو فتح کیا جائے، حضرت عثمان نے ان سے کہا کہ تم اس علاقے میں جا رہے ہو، وہاں رہتے ہو تو اب کے آؤ تو وہاں کے بارے میں بتانا کہ وہ کیسا علاقہ ہے، کس طرح کے لوگ ہیں، تاکہ ہم فیصلہ کریں کہ وہاں فوجی مہم بھیجی جائے یا نہ بھیجی جائے۔ جب وہ واپس آئے تو حضرت عثمان نے کہا کہ کہو کہ کیا ہوا؟ وہ ایک تحریر لکھ کر لے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک رپورٹ لے آیا ہوں، حضرت عثمان نے کہا کہ یہ تو بڑی لمبی ہے اس میں کیا لکھا ہے، تو انہوں نے کہا کہ اس میں لکھا ہوا ہے:

ماءها وشل وتمرها دقل وارضها جبل ولفسها بطل ان قل الجيش

فیھا ضاعوا وان کثیر جاعوا

یہ انہوں نے رپورٹ دی اور آج بھی اگر آپ بلوچستان کو دیکھیں تو یہ ساری باتیں وہاں پوری ہوتی ہیں، یعنی وہاں کی زمین پتھریلی ہے، وہاں کا پھل بہت ردی اور خراب ہوتا ہے اور پانی سخت کھارا ہوتا ہے اور ڈاکو بڑے بہادر ہوتے ہیں۔ اگر تھوڑی تعداد میں فوج بھیجیں گے تو ضائع ہو جائے گی اور اگر زیادہ بھیجیں گے تو بھوکی مر جائے گی۔ اس لئے کہ کھانے کو نہیں ملے گا۔

آج بھی اگر آپ دیکھیں تو اکثر علاقے کی یہی صورت حال ہے، تو معلوم ہوا کہ اس علاقے میں بھی صحابہ کرام آئے اور ان میں سے سیکڑوں کی تعداد میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگی اس کام کے لئے وقف کر دی کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے دیکھا اور جو سنا وہ انہوں نے لوگوں سے آگے بیان کیا۔ یہ سب حضرات وہ تھے جو صرف زبانی یادداشت پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بل کہ وہ ساری باتیں لکھ لیا کرتے تھے، جو صحابہ کرام ان سے بیان کرتے تھے، چناں چہ آپ نے کہیں نہ کہیں زاملہ کا لفظ ضرور سنا ہوگا، اور جن حضرات نے نہ سنا ہو وہ آج سن لیں، زاملہ کے معنی اونٹنی کے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس مشہور صحابی ہیں، سب جانتے ہیں عبداللہ ابن عباس جو احادیث بیان کیا کرتے تھے اور جو ان کی اپنی یادداشتیں ہوا کرتی تھیں (عبداللہ ابن عباس کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ حضور کے آخری زمانے میں آئے تھے، بچے تھے، ظاہر ہے حضور ﷺ کا انتقال ہوا تو ۱۶،۵۱ سال کے تھے تو آخری ۲ سال تین سال حضور ﷺ کے ساتھ انہوں نے گزارے) وہ حضور ﷺ سے سن سن کر خود بھی لکھا کرتے تھے اور جو حضور ﷺ سے سنتے تھے وہ بھی اور جو دیکھتے تھے وہ بھی لکھ لیا کرتے تھے حضور کے بعد ان کا طریقہ یہ تھا کہ بڑے صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ ابن مسعود ان لوگوں سے پوچھ پوچھ کر لکھا کرتے تھے اور ان کی یادداشتوں کا ذخیرہ ظاہر ہے آج زمانے کے باریک اور ملائم کاغذ تو نہیں ہوتے تھے چمڑا ہوتا ہوگا، کوئی لکڑی کی تختی ہوتی ہوگی کاغذ بھی ہوتے ہوں گے ان کا ذخیرہ دو اونٹنیوں پر لدا رہتا تھا، جب منتقل ہوتے تھے تو دو اونٹنیوں پر اپنی ساری یادداشتیں لے کر جایا کرتے تھے، ان کے سلسلے میں روایات میں زاملتان کا لفظ آتا ہے اور زاملۃ ابن عباس کا ذکر بھی آیا کہ عبداللہ ابن عباس کی اونٹنی، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کا سارا تحریری ذخیرہ جو حدیث سے متعلق تھا وہ سارا کا سارا اونٹنی پر لاد کر سفر میں بھی ساتھ رکھا کرتے تھے، چناں چہ حضرت علی کی اور خوارج کی لڑائی ہوئی تو آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت علی نے خوارج کے پاس بات کرنے کے لئے عبداللہ ابن عباس کو بھیجا تھا، اس سفر

میں بھی یہ دونوں اونٹنیاں ان کے پاس رہتی تھیں، جس میں ان کی یادداشتیں لکھی ہوتی تھیں اور وقتاً فوقتاً انہیں یاد بھی کرتے رہتے تھے اور لوگوں کو سناتے بھی رہتے تھے، لوگ ان سے نقلیں بھی لیتے رہتے تھے۔ اس طرح کی صحابۂ کرام میں احادیث کے تحریری ذخیروں کی کوئی ۴۸ مثالیں ہیں م اب وہ ساری بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، اس طرح کی ۴۸ صحابہ کرام کی مثالیں ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضور سے سن کر احادیث کو مرتب فرمایا اور ان کے بعد نسلاً بعد نسلٍ وہ احادیث آئندہ آنے والوں تک پہنچتی رہیں، حتیٰ کہ یہ ۱۲، ۱۵ جو بڑے بڑے مجموعے حدیث کے ہیں، یہ چھ صحاح ستہ میں اور آٹھ دس اور ہیں یہ ہمارے سامنے آئے اور یہ مسلمانوں میں مروج ہو گئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، ایک سوال عام طور سے لوگ کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرام کے اپنے مجموعے موجود تھے احادیث کے اور صحابہ کرام کے بہ راہ راست شاگردوں کے بنائے ہوئے اپنے مجموعے موجود تھے تو آخر یہ تیسری صدی ہجری چوتھی صدی ہجری کے بعد کے مجموعے کیوں مرتب ہوئے، وہ کیوں مروج نہیں ہوئے، مسلمانوں نے انہیں کیوں نظر انداز کر دیا اور ان بعد میں مرتب ہونے والے مجموعوں کو رواج کیوں دیا؟ اس کا جواب بڑا سادا ہے، وہ یہ کہ صحابہ کرام نے یا ان کے شاگردوں نے جب احادیث مرتب فرمائیں یا لکھیں وہ اس طرح مدون حدیث کی کتابوں کی شکل میں نہیں تھیں، جیسے صحیح بخاری ہے یا مثلاً مسند امام احمد ہے، بل کہ اس کی شکل تو ایسی تھی جیسے اپنے کسی استاد یا بزرگ کے ساتھ ہو جائیں جو بات وہ کہے آپ لکھ لیں، اس میں نہ ترتیب ہوگی نہ کوئی موضوعاتی تقسیم ہوگی۔ نہ کسی اور اعتبار سے ابواب بندی ہوگی، صرف لکھی ہوئی یادداشتیں ہیں، جیسے آپ اپنی کوئی ڈائری بنائیں کوئی بات خاص یاد آتی رہے لکھتے جائیں، تو ان مجموعوں کی حیثیت اس طرح کی یادداشتوں کی تھی جب بعد میں آنے والوں کو ضرورت ہوئی کہ حدیث کے ایسے مجموعے مرتب کئے جائیں کہ حدیث کے طالب علموں کی ضرورت وہ پوری کر سکیں تو ان سارے ذخائر کو سامنے رکھ کر ایسے نئے مجموعے بنانے کی ضرورت پیش آئی کہ جو تعلیمی اور تحقیقی ضرورتوں کے لئے مفید ہوں اور طالب علموں کی ضروریات کو پورا کرنے والے ہوں۔

چناں چہ جب اس کام کا آغاز ہوا اس زمانے میں جب صحابہ کرام اور صحابہ کرام کے بہ راہ راست شاگرد دنیا سے اٹھ گئے اس لئے کہ صحابہ کرام جب تک زندہ تھے تو اس ذخیرے میں اضافے کا روزانہ امکان ہوتا تھا، روزانہ یہ ہوتا کہ نئی نئی حدیثیں آتی رہتی تھیں، اس لئے کہ جب تک صحابہ زندہ ہیں جنہوں نے حضور سے حدیثیں سنی ہیں وہ روزانہ کوئی نہ کوئی نئی بات آپ کو

بتاتے رہیں گے، جیسے ہی ضرورت پیش آتی رہے گی کوئی نئی بات بتائیں گے کہ حضورﷺ نے فلاں موقع پر یہ ہوا تو یہ کیا۔ اس لئے صحابہ کرام کے زمانے تک تو اس کی گنجائش بھی نہیں تھی کہ ان کو ایک خاص ترتیب سے موضوعاتی بنیاد پر کے لئے مرتب کیا جائے، پھر جب صحابہ کرام کا زمانہ ختم ہوا اور صحابہ کرام کا زمانہ ۱۱۰ ہجری میں ختم ہوا ہے۔ ۱۱۰ ہجری میں آخری صحابی اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، اور ان کے بعد کوئی ایسا آدمی جس نے بہ راہ راست رسول اللہﷺ کو اپنی نظروں سے دیکھا ہو دنیا میں موجود نہیں رہا، اور وہ آخری صحابی وہ ہیں جن کی طویل عمر ہوئی ۱۱۵ سال تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ میں رسول اللہﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو چار پانچ سال کا بچہ تھا، اور حضور نے اپنی کھجور لے کر دانتوں سے چبا کر میرے منہ میں دے دی اور برکت کی دعا دی، اس سے پتہ چلا کہ بچے کے منہ میں چبا کر جب تک دانت نہ نکلیں تو کھجور وغیرہ چبا کر کسی بزرگ وغیرہ کا دے دینا، یہ سنت ہے، یہ آخری سنت ۱۱۰ ہجری میں پتہ چلی، حضور کی وفات کے کوئی ۱۰۰ سال بعد یا ۹۹ سال بعد۔ ان کا نام غالباً محمود ابن لبیب ہے، مجھے پورا صحیح یاد نہیں لبیب ابن محمود یا محمود ابن لبیب یہ وہ آخری صحابی ہیں، علی الاطلاق، ان کے بعد کوئی صحابی دنیا میں زندہ نہیں رہے، تو صحابہ کرام کے بعد اب یہ مرحلہ آیا کہ احادیث کو موضوعاتی ترتیب سے مرتب کیا جائے۔

چناں چہ صحابہ کرام کے زمانے کے فوراً بعد کے زمانے میں امام زید ابن علی کا نام آپ نے سنا ہوگا جو زیدی شیعوں کے فقہ کے بانی ہیں، جن کی زیدی شیعہ تقلید کرتے ہیں، اور یمن میں ان کی اکثریت ہے، یہ حضرت امام حسینؓ کے پوتے تھے۔ زید ابن علی حضرت امام زید العابدین کے بیٹے تھے، یعنی زید ابن علی ابن حسین ابن علی ابن ابی طالب تو زید ابن علی نے سب سے پہلا مجموعہ مرتب کیا۔ یعنی دور صحابہ کے بعد زید ابن علی کی وفات ہوئی ہے ۱۲۰ھ ہجری میں اور آخری صحابی رخصت ہوئے ہیں دنیا سے ۱۱۰ھ میں تو گویا تابعین نے درمیان میں کوئی خلا باقی نہیں چھوڑا، فوراً ہی اس کام کا آغاز کر دیا، انہوں نے ایک مجموعہ مرتب کیا، جو فقہی ترتیب پر ہے جس کا نام ہے کتاب المجموع، انہوں نے کتاب المجموع کے نام سے احادیث کا ذخیرہ مرتب کیا جو فقہی ابواب پر مرتب کیا گیا کہ سب سے پہلے وضو کے احکام نماز روزے کے بارے میں حدیثیں، پھر زکوٰۃ کے بارے میں اس طرح سے اس ترتیب پر انہوں نے مرتب کیا اور یہ پہلا مجموعہ ہے جو آج ہمارے سامنے موجود ہے، چھپا ہوا موجود ہے۔ اس کی شرحیں بھی ہیں یہ مجموعہ زیدی فقہ کی بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے، جیسے سنیوں میں موطا امام مالک ہیں پھر ۱۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے ۱۲۰ھ سے لے کر

۱۵۰ھ تک کا جو زمانہ ہے تیس چالیس برس کا، اس میں درجنوں اس طرح کے مجموعے مرتب ہوئے، جس میں سے دو تین مجموعے امام ابوحنیفہ کے بھی ہیں، جو آج آپ کے سامنے موجود ہیں، مسانید امام ابوحنیفہ موجود ہے۔

آپ دیکھ لیجئے امام ابوحنیفہ کے بعد امام مالک کا زمانہ ہے، ان کی کتاب موطا امام مالک موجود ہے، امام شافعی کی مسند موجود ہے، آپ دیکھ لیجئے تو زید ابن علی کے بعد کا ۵۰، ۶۰ سال کا جو زمانہ ہے اس میں درجنوں مجموعے تو وہ ہیں جو آج ہمارے سامنے موجود ہیں، لیکن یہ مجموعے اکثر چھوٹے چھوٹے مجموعے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام خاص خاص علاقوں میں جا کر بیٹھے، عبداللہ ابن مسعود کوفے میں بیٹھے، حضرت عبادہ ابن صامت جا کر شام میں بیٹھے، حضرت عبداللہ ابن عباس مکے میں بیٹھے، اس طرح سے مختلف علاقوں مختلف صحابہ کرام جا کر بیٹھ گئے اور جس کے پاس جو سنت کا علم تھا اس نے وہاں لوگوں کو دینا شروع کیا، اس لئے صحابہ کرام کے فوراً بعد کے زمانے میں یعنی دوسری صدی ہجری کے زمانے میں جو مجموعے تھے وہ چھوٹے چھوٹے مجموعے ہیں، اس لئے کہ ان کے پاس ایک یا دو یا تین یا چار صحابہ کی روایات پہنچی تھیں، باقی جو صاحب کوفے میں بیٹھ کر لکھ رہے ہیں ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یمن میں کوئی صحابی ہیں جو روایت کر رہے ہیں، ان کے پاس کیا کیا ذخائر ہیں۔ یہ چیز اس وقت ممکن نہیں تھی لیکن تیسری صدی ہجری میں سارے مجموعے جب دنیائے اسلام میں پھیل گئے تو یہ ممکن ہوا کہ ان کو یک جا کر کے بڑے بڑے مجموعے بنا لئے جائیں۔ چناں چہ تیسری صدی ہجری میں بڑے مجموعوں کا دور آیا، دوسری صدی ہجری کے مجموعے چھوٹے چھوٹے ہیں، آپ دیکھ لیجئے موطا امام محمد اتنی چھوٹی سی کتاب ہے کہ اگر باریک ٹائپ پر چھاپا جائے تو شاید دو سو صفحے سوا دو سو صفحے کی کتاب بنے گی، موطا امام مالک چھوٹی سی کتاب ہے، مسند امام شافعی چھوٹی سی کتاب ہے، کتاب الآثار امام محمد کی چھوٹی سی کتاب ہے، یہ چھوٹے چھوٹے مجموعے ہیں، کتاب المجموع تو بہت چھوٹی سی کتاب ہے، کوئی سوا سو صفحے کی۔

تیسری صدی ہجری میں جب یہ سارے مجموعے دنیائے اسلام میں پھیل گئے تو جو حج کے لئے آیا، ان کی نقلیں لے آیا، جو حج کر کے گیا وہ مکے میں کسی کتاب کی نقل لے کر گیا، جو یمن سے آیا وہ یمن کی کتابوں کی نقلیں لیتا آیا اس طرح سو پچاس سال میں یہ ساری چیزیں دنیائے اسلام میں پھیل گئیں۔

پھر تیسری صدی ہجری میں جو مجموعے مرتب ہوئے وہ بہت بڑے بڑے اور مستند مجموعے

تھے، وہ اس لئے مقبول ہوئے کہ وہ فنی بنیادوں پر پوری طرح مدون بھی تھے، اور ان کی ترتیب میں بھی بہتر ہوئی تھی کہ پہلے مجموعوں کے برعکس یہ مجموعے فقہی ابواب پر یا کسی اور مثلاً مسانید کی ترتیب پر مدون ہوئے تھے۔ جو چیز زیادہ بہتر ہو زیادہ مکمل ہو، ترتیب میں زیادہ فنی بنیادوں پر مرتب ہو وہ زیادہ مقبول ہوتی ہے اور جو کوئی نیا تجربہ ہو تو وہ کم مقبول ہوتا ہے، دنیا کا عام تجربہ ہے کہ نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہوتا ہے، اس لئے دوسری صدی ہجری کے مجموعے نسبتاً کم مقبول ہوئے، تیسری صدی ہجری کے زیادہ مقبول ہوئے، چوتھی صدی ہجری کے اس سے زیادہ مقبول ہوئے اور جیسے جیسے بعد میں مجموعے آتے گئے، تجربے ہوتے گئے مجموعے زیادہ مقبول ہوتے چلے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری، امام مسلم ابوداؤد اور ترمذی کے مجموعے زیادہ مقبول ہوئے، اور امام محمد کا مجموعہ ابوحنیفہ کا مجموعہ امام شافعی کا مجموعہ ان سے کم مقبول ہوا اور صحابہ کرام کے شاگردوں کے، تابعین کے مجموعے اس سے بھی کم مقبول ہوئے اور صحابہ کرام کے مجموعوں کا تو صرف کتابوں میں ذکر ملتا ہے یہ مجموعے کہیں لائبریری میں ملتے ہیں، اس کی یہ وجہ ہے۔

اس کے بعد تیسری صدی ہجری کے آخر میں جب سب حدیثیں مدون ہوگئیں تو آج ہمارے سامنے سارا ذخیرۂ احادیث کتابی شکل میں موجود ہے، آج نہ راویوں کے حالات جاننے کی ضرورت ہے نہ کسی سے بہ راہ راست حدیث جاننے کی کوئی حاجت ہے۔ آپ جس حدیث کو جاننا چاہیں آپ لائبریری سے کتاب نکالئے، فہرست دیکھئے اور حدیث معلوم کر لیجئے۔ گویا یہ ہے حدیث کی تاریخ یا تاریخیت کا تیسری صدی ہجری کے وسط تک کا مختصر سا جائزہ۔

حوالہ جات

۱۔ الحجر:۹

۲۔ الحجر:۹

۳۔ البینہ:۲

۴۔ مسلم: ج۴، ص۴۰۰، رقم ۳۰۰۴

۵۔ ترمذی: ج۴، ص۳۰۴، رقم ۲۶۷۶